بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ توسل

افادات

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

امیر: عالمی اتحاد اهل السنۃ والجماعۃ

سرپرست: مرکز اهل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

چیف ایگزیکٹو: احناف میڈیا سروسز

رابطہ: مکتبہ اهل السنۃ والجماعۃ، 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

فون نمبرز: 048-3881487, 0321-6353540, 0335-7500510

ای میل: markazhanfi@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ توسل

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

تمہید:

مسئلہ کی تفصیل سے قبل چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

توسل کا لغوی و شرعی معنیٰ:

لغوی معنیٰ:

1: الوَسِیلَۃ ھی فی الأصل ما یُتَوَصَّلُ بہ إلی الشّیء ویُتَقَرَّبُ بہ

(النہایۃ فی غریب الاثر لابن الاثیر الجزری: ج5 ص402)

کہ "وسیلہ" دراصل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی (مطلوبہ) چیز کی طرف پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے

2: مصباح اللغات میں ہے:

الوسیلہ: تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ

(مصباح اللغات: ص946)

3: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "توسل" لغت میں تقرب اور نزدیکی کو کہتے ہیں قرآن شریف میں ہے: ﴿وابتغوا الیہ الوسیلۃ﴾ یعنی اللہ کا قرب حاصل کرو

(ملفوظات حکیم الامت ج25 ص123)

شرعی معنیٰ:

شرعاً توسل کا اطلاق ان اقسام پر ہوتا ہے:

توسل بالدعاء:

التوسل --- بدعاء الرجل الصالح الحی الموجود فتقول یا شیخ ادع اللہ لی ونحو ذلک، کما استسقی الصحابۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

(التوسل المشروع والممنوع: ص17)

ترجمہ: توسل بالدعاء سے مراد یہ ہے کہ زندہ نیک آدمی کو دعا کی درخواست کرنا کہ حضرت! میرے لیے اللہ سے دعا فرمائیں، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔

توسل بالاعمال:

ھو التقرب إلی اللہ تعالی بطاعتہ وعبادتہ واتباع أنبیائہ ورسلہ وبکل عمل یحبہ اللہ ویرضاہ.

(التوصل الی حقیقۃ التوسل لمحمد نسیب الرفاعی: ص13)

ترجمہ: وسیلہ بالاعمال سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت، اس کے انبیاء و رسل کی اتباع اور ہر اس عمل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور اللہ اس سے راضی ہو۔

توسل بالذات:

و ان یتوسل بالنبی صلی اللہ علیہ و سلم و باحد من الاولیاء العظام جائز بان یکون السوال من اللہ تعالیٰ و یتوسل بولیہ و نبیہ صلی اللہ علیہ و سلم۔

(امداد الفتاویٰ: ج6 ص327)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی ولی کی ذات سے وسیلہ کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مانگا تو اللہ تعالیٰ سے جائے لیکن واسطہ ولی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

مندرجہ بالا تین اقسام کے پیشِ نظر توسل کی شرعی تعریف کچھ یوں ہے:

و التوسل شرعاً هو التقرب إلى الله تعالى بدعاء النبيين و الصالحين و الاولياء و شفاعتهم او بكل عمل يحبه الله ويرضاه من عبادته كالصلاة و الزكوة و الصيام و غير ذلك و اتباع أنبيائه ورسله او بجاه النبيين و الصالحين و بحرمتهم و ببركتهم و بحقهم على الله سبحانه و تعالىٰ سواء كان في حياتهم او بعد وفاتهم

ترجمہ: شریعت میں توسل سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے چاہے وہ انبیاء، صالحین اور اولیاء سے دعا کروا کر اور ان کی شفاعت سے حاصل کیا جائے یا ہر اس عمل سے کیا جائے جسے اللہ پسند فرماتا ہے جیسے اس کی عبادت کرنا مثلاً نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، روزہ رکھنا وغیرہ اور انبیاء، رسل کی اطاعت کرنا یا انبیاء و صالحین کی جاہ، حرمت، برکت اور ان کے (اللہ پر ہونے والے) حق (یا اس قسم کے دیگر الفاظ مثلاً بطفیل فلاں، بوسیلہ فلاں وغیرہ) سے حاصل کیا جائے چاہے اس دنیوی زندگی میں ہو یا وفات کے بعد والی زندگی میں۔

فائدہ:

توسل کی ان تین اقسام میں سے توسل بالدعاء اور توسل بالاعمال اہل السنۃ والجماعۃ اور فریق مخالف [مماتی اور غیر مقلدین] کے ہاں متفق علیہ ہے لیکن توسل بالذات کے اہل السنۃ والجماعۃ تو قائل ہیں البتہ فریق مخالف اس کا منکر ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اور فریق مخالف کا موقف پیشِ خدمت ہے:

مذہب اہل السنت والجماعت:

1: علامہ تقی الدین علی بن عبد الکافی ابن علی السبکی الشافعی [م756ھ] لکھتے ہیں:

ان التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز فی کل حال قبل خلقه وبعد خلقه فی مدة حياته فی الدنيا وبعد موته فی مدة البرزخ

(شفاء السقام للسبکی: ص358)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا ہر حال میں جائز ہے چاہے آپ کی تخلیق سے پہلے ہو، آپ کی پیدائش کے بعد آپ کی دنیوی زندگی میں ہو یا آپ کی وفات کے بعد آپ کی برزخی زندگی میں ہو۔

2: علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ [م923ھ] لکھتے ہیں:

و ینبغی للزائر ان یُکثِرَ من الدعاء و التضرع و الاستغاثة و التشفع و التوسل به صلی اللہ علیہ و سلم

(المواہب اللدنیۃ: ج3 ص417 الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف الخ)

ترجمہ: زائر کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دُعا مانگے، گڑگڑائے، مدد چاہے، شفاعت کی دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے۔

3: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م1176ھ) فرماتے ہیں:

و من ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ و التوسل بنبی اللہ لیستجاب. (حجۃ اللہ البالغۃ ج2 ص6)

ترجمہ: اور دعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدّم کیا جائے تاکہ دُعا کو قبولیت کا شرف ہو۔

4: علماء دیوبند کی اجماعی و متفقہ دستاویز "المہند علی المفند" میں تیسرا اور چوتھا سوال توسل کے متعلق تھا، حضرات علماء دیوبند کا متفقہ مسلک اس سوال وجواب میں ملاحظہ فرمائیں:

السوال الثالث والرابع: هل للرجل ان يتوسل فی دعواته بالنبی صلی الله عليه وسلم بعد الوفاة ام لا؟ ايجوز التوسل عندكم بالسلف الصالحين من الانبياء والصديقين والشهداء واولياء رب العالمين ام لا؟

الجواب: عندنا وعند مشائخنا يجوز التوسل فی الدعوات بالانبياء والصالحين من الاولياء والشهداء والصديقين فی حياتهم وبعد وفاتهم بأن يقول فی دعائه اللهم انی اتوسل اليك بفلان ان تجيب دعوتی وتقضی حاجتی الی غير ذلك

(المہند علی المفند: ص36، 37)

ترجمہ: تیسرا اور چوتھا سوال: کیا وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعا میں انبیاء، اولیاء، شہداء اور صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی، آدمی یوں دعا کرے: اے اللہ! فلاں بزرگ کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما اور میری اس ضرورت کو پورا فرما۔

5: حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ [م 1362ھ] لکھتے ہیں:

والثالث دعاء الله ببركة هذا المخلوق المقبول وهذا قد جوزه الجمهور الخ

(بوادر النوادر: ص708)

ترجمہ: اور توسل کی تیسری صورت یہ ہے کی کسی مقبول مخلوق کی برکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگے اور اسے جمہور نے جائز قرار دیا ہے۔

لہذا اہل السنت والجماعت کے نزدیک دعا میں کسی نبی یا ولی کا وسیلہ دینا مستحب، اقرب الی الاجابت اور آداب میں سے ہے۔

مذہب اہل بدعت:

موجودہ دور کے غیر مقلدین اور مماتی حضرات توسل کے منکر ہیں اور اسے ہنود و نصاریٰ کا طریقہ کہا، شرک کے اسباب قرار دیا اور مشرکین کا عقیدہ بتلایا۔ اس کا موقف ان کی چند عبارات میں ملاحظہ ہو:

غیر مقلدین حضرات کی عبارات:

1: سید طالب الرحمن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

کسی فوت شدہ نبی یا ولی کا وسیلہ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ عملِ صالح نہیں۔ (آیئے عقیدہ سیکھیے: ص159)

2: محمود احمد میر پوری صاحب غیر مقلد وسیلہ بالذات کو غیر مشروع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وسیلے کا یہی وہ غیر مشروع طریقہ ہے جو انسان کو شرک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (فتاویٰ صراط مستقیم: ص70)

3: محمد رئیس ندوی صاحب نے توسل بالذات کے بارے میں جس قسم کی زبان استعمال کی اور قائلین توسل پر جو گالیوں کی بوچھاڑ کی وہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ گالیاں دیتے دیتے موصوف نے توسل کی اس قسم کو مشرکانہ توسل، دعویٰ مکذوبہ و قبیحہ، حرام وغیرہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی ہے۔

(مجموعہ مقالات پر سلفی تحقیقی جائزہ از رئیس ندوی: ص856 تا872)

مماتی حضرات کی عبارات:

1: محمد حسین نیلوی صاحب اپنی کتاب "ندائے حق" میں لکھتے ہیں:

دراصل یہ مسئلہ (توسل) ہنود و نصاریٰ سے چلا آرہا ہے۔ (ج2 ص349 عنوان: مسئلہ وسیلہ بالذات والاموات کا اصل ماخذ)

2: محمد طاہر صاحب پنجپیری کی کتاب "البصائر مصنفہ مولوی حمد اللہ الداجوی" کے حاشیہ میں ہے:

قائلین توسل اور پہلے دور کے مشرکین کا عقیدہ ایک جیسا ہے۔ (حاشیہ البصائر: ص237)

3: عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

اسلام میں وسیلہ کا کوئی ثبوت نہیں، جواز وسیلہ پر کوئی ایک آیت، حدیث یا صحابی کا عمل موجود نہیں۔ لہذا وسیلہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

(وسیلہ کیا ہے؟: 41، 42، 46، 64)

ایک مقام پر متوسِل کے بارے میں لکھتے ہیں:

اور وہ پاگل اپنے درخواست پیش کرنے کے لیے مخلوق میں سے وسیلوں اور واسطوں کو ڈھونڈ تا پھرے۔ (شرک کیا ہے: ص19)

4: میاں محمد الیاس صاحب محمد طاہر پنج پیری صاحب کی ایک تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ مولانا کی پہلی مطبوعہ تصنیف ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع "توسل و وسیلہ" ہے جو کہ پورے ہندوستان میں عام ہے اور شرک کے بنیادی اسباب میں سے ہے۔ (مولانا طاہر کی خدمات: ص194)

توسل بالذات کا ثبوت:

حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی ذاتوں سے توسل کرنے کا جواز کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع امت اور سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہے۔ خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرنے کا جواز عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔

عقلاً ثبوت:

1: اعمال کا وسیلہ تو مسلّم ہے حتی کہ فریقِ مخالف بھی اس کا قائل ہے۔ اعمال فرع ہیں اور ذات اصل ہے۔ بالفاظ دیگر نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ اعمال فرع ہیں اور ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے نکلنے والے اعمال کا نام "دین" ہے۔ جب اعمال اور فرع کا وسیلہ جائز ہے تو ذات پیغمبر اور اصل کا وسیلہ بدرجہ اولیٰ جائز ہو گا۔ نیز اعمال خود نہیں آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اعمال ہمیں نہ ملتے۔ تو وہ اعمال جن کے وسیلے کے تم قائل ہو ان کا وسیلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

2: اعمال صالحہ خداوند تعالیٰ کی جانب سے نعمت ہیں، ان کا وسیلہ جائز ہے۔ حضرت انبیاء علیہم السلام و صالحین حضرات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام نعمتوں کا سرچشمہ بلکہ نعمتِ کبریٰ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (آل عمران: 64)

ترجمہ: بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔

تو جب چھوٹی نعمتوں (اعمال صالحہ وغیرہ) سے توسل کرنا جائز ہے تو بڑی نعمتوں (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم) سے توسل کرنا بدرجہ اولیٰ جائز اور درست ہو گا۔

3: اعمالِ صالحہ چونکہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں، اس لیے ان سے توسل جائز ہے تو انبیاء علیہم السلام ان سے بڑھ کر تقرب کا ذریعہ ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ایمان نہ ہو تو اعمال صالحہ سے قربِ خداوندی نہیں ملتا اور اگر ایمان ہو اور اعمالِ صالحہ بھی ہوں تو اعمالِ صالحہ سے اتنا قربِ خداوندی نہیں ملتا جتنا پیغمبر کی ذات سے ملتا ہے۔

اول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [سورۃ الزمر: 65]

کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارے سارے اعمال غارت جائیں گے اور تم یقینی طور پر سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

ثانی کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تسبوا أحدا من أصحابي فإن أحدكم لو أنفق مثل أحد ذهبا ما أدرك مد أحدهم ولا نصيفه

(صحیح مسلم: ج2 ص310 باب تحریم سب الصحابہ)

کہ میرے صحابہ کی شان میں نازیبا کلمہ نہ کہنا اس لیے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے اور یہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) ایک جو مٹھی بھر جَو خرچ کریں تو تمہارا احد پہاڑ کے برابر سونا اِن کی مٹھی بھر جو کے برابر نہیں۔

مٹھی بھر جَو خرچ کرنا چھوٹا عمل ہے، احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا بڑا عمل ہے۔ اب یہاں احد پہاڑ کی مثل سونا مٹھی بھر جَو کے برابر اس لیے نہیں کہ مٹھی بھر جَو کو ذاتِ پیغمبر کی صحبت ملی ہے اور ہمارے احد پہاڑ کی مثل سونے کو ذاتِ پیغمبر کی صحبت نہیں ملی۔ ثابت ہوا کہ اعمال صالحہ سے اتنا قربِ خداوندی نہیں ملتا جتنا پیغمبر کی ذات سے ملتا ہے۔

کتاب اللہ سے توسل کا ثبوت:

پہلی آیت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا:

﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (سورۃ البقرۃ: 89)

ترجمہ: اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1239ھ) لکھتے ہیں:

ابو نعیم اور بیہقی اور حاکم نے ساتھ اسناد صحیحہ اور طرق متعددہ کے روایت کی ہے کہ یہودی مدینہ کے اور یہودی خیبر کے جس وقت ساتھ بت پرستوں عرب کے یعنی فرقہ بنی اسد اور بنی غطفان اور جہینہ اور غدرہ کے جنگ کرتے تھے، مغلوب ہو جاتے اور شکست کھاتے، لاچار ہو کر طرف دانشمندوں اور کتاب اپنے کے رجوع کیا انہوں نے بعد تامل بسیار کے، یہ دعا اپنے سپاہیوں کو تعلیم کی کہ لڑائی کے وقت میں پڑھا کریں، پھر مغلوب نہ ہوئے اور فتح پاتے تھے، دعا یہ ہے:

اللهم ربنا انا نسالك بحق احمدَ النَّبِيِّ الامی الذی وعدتَّنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان وبكتابك الذی تنزل علیه آخر ماینزل ان تنصرنا علی اعدائنا ۔

(تفسیر عزیزی: ج2 ص581)

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور وسیلے سے جو نبی امی ہیں، جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، اور اس کتاب کے وسیلہ سے جس کا تو نے آخری زمانہ میں نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ [م 1270ھ] لکھتے ہیں:

وہ لوگ یہ دعا کرتے تھے:

اللهم إنا نسألك بحق نبيك الذي وعدتنا أن تبعثه في آخر الزمان أن تنصرنا اليوم على عدونا. (روح المعانی: ج1ص320)

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے اس رسول کے حق اور وسیلے سے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

شیخ ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ (م1336ھ) لکھتے ہیں:

مدینہ کے یہود بنی اسد اور بنی غطفان وغیرہ قبائل عرب سے جب شکست کھا کر عاجز ہوئے تو اپنے علماء کی تعلیم سے دعا کیا کرتے تھے: اللھم ربنا انا نسالك بحق احمد النبي الامي الذي وعدتنا ان تخرجه لنا في آخر الزمان وبكتابك الذي تنزل عليه آخر ماينزل ان تنصرنا على اعدائنا کہ الٰہی ہم کو برکت نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور برکت قرآن مجید کے ہمارے دشمنوں پر فتح یاب کر۔

(تفسیر حقانی: ج1ص510)

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (م1394ھ) اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

حالانکہ نزولِ قرآن اور آپ کی بعثت سے پہلے ہی لوگ کافر اور بت پرستوں کے مقابلہ میں آپ کے نام کی برکت سے فتح ونصرت اللہ سے مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ یہود مدینہ اور یہود خیبر کی جب عرب کے بت پرستوں سے لڑائی ہوتی تو یہ دعا مانگتے:

اللھم ربنا انا نسالك بحق احمد النبي الامي الذي وعدتنا ان تخرجه لنا في آخر الزمان وبكتابك الذي تنزل عليه آخر ماتنزل ان تنصرنا على اعدائنا.

(تفسیر معارف القرآن کاندھلوی: ج1ص233)

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور وسیلے سے جو نبی امی ہیں، جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، اور اس کتاب کے وسیلہ سے جس کا تو نے آخری زمانہ میں نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہود مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل آپ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے۔

اعتراض:

اس آیت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ توسل بالذات یہود کا طریقہ تھا اور یہی کچھ مماتی حضرات کہتے ہیں۔

جواب:

اولاً۔۔۔ اصول الفقہ کی مشہور کتاب "نور الانوار" میں ملاجیون (م1130ھ) فرماتے ہیں:

شرائع من قبلنا شريعتنا ما لم تنسخ

(نور الانوار: ص227 بحث الفرق بین الہام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ)

ترجمہ: ہم سے پہلی شریعتیں جب تک منسوخ نہ ہو جائیں تو انہیں بھی ہماری شریعت سمجھا جائے گا۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ (م1270ھ) فرماتے ہیں:

مذهبنا في شرع من قبلنا وإن كان إنه يلزمنا على أنه شريعتنا لكن لا مطلقا بل إن قصه الله تعالى علينا بلا إنكار

(روح المعانی: ج8ص239 تحت سورۃ کہف آیت 21)

ترجمہ: پہلی شریعتوں کے بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بغیر انکار کے ہمیں بیان فرمادیں تو ہمارے لیے بھی ان کا حکم ثابت ہو گا۔

شریعت محمدیہ علی صاحبہا السلام میں توسل بالذات سے منع نہیں آیا بلکہ اس کا اثبات منقول ہے جیسا کہ آگے دلائل میں آرہا ہے۔لہذا اس آیت سے توسل کا جواز ثابت ہوا۔

ثانیاً۔۔ اگر اسی شبہ پر توسل بالذات کا انکار کر دیا جائے کہ یہ پہلی شریعتوں کا مسئلہ ہے تو ہم ان منکرین سے پوچھتے ہیں کہ توسل بالاعمال کے آپ بھی تو قائل ہیں اور اس پر جو اصحاب الغار والا واقعہ پیش کرتے ہیں تو وہ بھی اس امت کے اولیاء نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل کے اولیاء تھے، تو پھر اس کا انکار کر دیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے توسل کا تذکرہ کیا اور تردید نہیں فرمائی تو وہ اب ہماری شریعت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب الغار والی حدیث بیان فرمائی اور تردید نہیں فرمائی تو وہ بھی ہماری شریعت ہے۔

دوسری آیت:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (سورۃ النساء:64)

ترجمہ: اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آکر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔

اس آیت میں دو چیزیں ہیں:

1: ان لوگوں کا اپنا استغفار 2: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار

اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے استغفار پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کا بھی ذکر کیا۔ تو جس طرح ان کے اپنے استغفار کا ذکر کیا درمیان میں پیغمبر کی ذات کو بھی ذکر کیا۔ پیغمبر کو شامل کرنے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿جَاءُوكَ﴾ ہے کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ اگر صرف استغفار ہی کافی تھا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ معلوم ہوا کہ عام استغفار کے قبول ہونے میں ان لوگوں کی ذات کو دخل ہے لیکن وہ استغفار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے قریب آکر کیا جائے اس کی قبولیت میں ذاتِ نبوت کو دخل ہے ورنہ ﴿جَاءُوكَ﴾ ذکر نہ فرماتے۔

امام مالک بن انس المدنی (م 179ھ) اسی آیت سے جوازِ وسیلہ پر استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا اور اس نے امام مالک سے دریافت کیا:

استقبل القبلة و ادعو ام استقبل رسول الله صلی الله علیه و سلم؟ فقال: و لم تصرف وجهك عنه و هو وسیلتك و وسیلة ابیك آدم علیه السلام الی الله یوم القیامة؟ بل استقبله و استشفع به فیشفعه الله۔ قال الله تعالیٰ: و لو انهم اذ ظلموا انفسهم الایة. (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج2ص26 الباب الثالث فی تعظیم امره و وجوب توقیره)

ترجمہ: میں قبر نبوی کی زیارت کرتے وقت دعا کرتے ہوئے قبلہ رخ ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اے امیر! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منہ کیوں موڑتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روزِ قیامت وسیلہ ہیں، بلکہ اے امیر! آپ کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ رہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طلب گار رہیے، اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آکر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔

علامہ تقی الدین السبکی الشافعی (م 756ھ) اس آیت کو توسل بالذوات کی دلیل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

والاحادیث و الآثار فی ذلك اکثر من ان تحصر، و لو تتبعتها لوجدت منها الوفاً، و نص قوله تعالیٰ: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا

أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ الآية صريح فی ذلك. (شفاء السقام: ص376 الباب الثامن فی التوسل وا لاستغاثه و التشفع بالنبی صلی الله علیه و سلم)

ترجمہ: توسل بالذوات کے بارے میں احادیث و آثار شمار سے باہر ہیں، اگر آپ ان کو جمع کریں تو ان کی تعداد ہزاروں میں پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ توسل بالذوات کے جواز میں نصِ صریح ہے۔

تیسری آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ الاية

(سورۃ المائدۃ:35)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

امام ابو عبد اللہ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ (م405ھ) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو) کے بارے میں یہ بات بیان کی ہے:

لقد علم المحفوظون من أصحاب محمد صلی الله علیه و سلم أن ابن أم عبد الله من أقربهم إلى الله وسيلة

(المستدرک علی الصحیحین: ج3 ص37 کتاب التفسیر تحت سورۃ المائدۃ)

ترجمہ: بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے محفوظ حضرات نے جان لیا کہ ابن ام عبد اللہ (حضرت عبد اللہ بن مسعود) وسیلہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب ان حضرات میں سے اقرب اشخاص میں ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ (م1371ھ) لکھتے ہیں:

والوسيلة بعمومها تَشْمَل التوسل بالاشخاص، و التوسل بالاعمال... اما شمول الوسيلة فی الآية المذكورة للتوسل بالاشخاص فليس برای مجرد ولا هو بماخوذ من العموم اللغوی فحسب بل هو الماثور عن عمر الفاروق رضی الله عنه الخ

(مقالات الکوثری: ص286)

ترجمہ: اس آیت میں لفظ "الوسیلۃ" عموم کے پیشِ نظر ذاتوں کے وسیلہ کو بھی شامل ہے اور اعمال کے وسیلہ کو بھی۔۔۔ آیت مذکورہ میں وسیلہ کا توسل بالاشخاص کو شامل ہونا محض رائے سے نہیں اور نہ ہی لفظ کے عموم لغوی کا نتیجہ ہے بلکہ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے الخ۔

آگے علامہ کوثری رحمہ اللہ نے کئی ایک آثار ذکر فرمائے ہیں جن سے توسل بالاشخاص ثابت ہوتا ہے۔

وسیلہ ذوات و اعمال دونوں کو اس لئے شامل ہے کہ وسیلہ سے مراد "قربت" ہے، جیسا کہ عامہ مفسرین نے فرمایا ہے۔

(دیکھیے تفسیر الدر المنثور، تفسیر ابن کثیر، تفسیر جلالین وغیرہ)

چوتھی آیت:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

(سورۃ الانفال:33)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ اِن کو اِس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م279ھ) نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری اُمت کے لئے دو امانتیں نازل فرمائیں:

{وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ} {وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ} إذا مضيت تركت فيهم الاستغفار إلى يوم القيامة. (جامع الترمذی: ج2ص139 ابواب التفسیر، تحت تفسیر سورۃ الانفال)

ترجمہ: ایک امانت یہ آیت: "اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ انہیں تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے" اور دوسری یہ آیت: "اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں"۔ پس جب میں (دنیا) سے چلا جاؤں گا تو ان میں استغفار کو قیامت تک کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔

عذاب سے بچنے کے دو سبب اس آیت میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک سبب پہلے حصہ میں وارد الفاظ: ﴿وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف فرما ہوں اس وقت تک عذاب نہ آئے گا اور دوسرا سبب ان الفاظ: ﴿وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ سے معلوم ہو رہا ہے۔ تو یہاں پہلا جملہ ﴿وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ ذوات کے بیان کے لئے ہے اور دوسرا جملہ ﴿وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ اعمال کے بیان کے لئے ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ذوات کا وسیلہ بھی جائز ہے اور اعمال کا بھی جائز ہے۔

احادیث مبارکہ سے توسل کا ثبوت:

حدیث نمبر 1:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ

(صحیح البخاری: ج1 ص137 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن خطاب، عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ! ہم تیرے پاس تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لے کر آیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا، اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ہمیں سیراب کر۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیراب کئے جاتے (یعنی بارش ہو جاتی)۔

اعتراض:

اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وسیلہ بالاحیاء تو جائز ہے، وسیلہ بالاموات جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ دیا ہے۔ اگر اموات کا وسیلہ جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ ذات کا وسیلہ نہ دیا جاتا۔

جواب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل کرنے کی یہ وجوہات ہیں:

1: حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسلیہ سے یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کا توسل جائز ہے اسی طرح غیر الانبیاء کا توسل بھی جائز ہے۔

2: یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں، ایک بذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری توسل باھل قرابت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

3: یہ بتانا مقصود تھا کہ غیر انبیاء علیہم السلام کا توسل بھی رحمت وبرکت کا باعث ہے۔

4: انسانی طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ محسوس، موجود اور مبصر پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے۔ جیسے اگر کوئی آدمی روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جا

رہا ہو تو اس کو سلام پہنچانے کا واسطہ بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ سلام تو فرشتے بھی پہنچاتے جن کی رفتار بھی تیز ہے اور سلام پہنچانا بھی یقینی ہے۔ اسی لیے بتقاضائے انسانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا توسل لیا۔

رہا معترض کا یہ کہنا کہ "وسیلہ بالاحیاء تو جائز ہے، وسیلہ بالاموات جائز نہیں" بلا دلیل و حجت ہے۔ اس لیے کہ:

1: یہ دعویٰ نہ دلالت النص سے ثابت ہے، نہ عبارت النص سے، نہ اشارۃ النص ہے نہ اقتضاء النص سے۔

2: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل لینے میں تو توسل بالاموات کا اثبات ہوتا ہے کہ نہ انکار۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا "اللھم انا نتوسل الیك بنبیا فتسقینا" اور یہ ضابطہ ہے کہ صحابی کے اس قول "کنا نفعل کذا" (ہم ایسا کیا کرتے تھے) کا مطلب یہ کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس قول کے وقت تک ہمارا یہی عمل ہے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس وقت تک (یعنی قحط والے سال تک) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ دیتے آئے ہیں۔ اب اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی آپ کی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد والی زندگی دونوں کا زمانہ شامل ہے۔ لہذا اس سے تو توسل بالاحیاء بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا۔

3: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل تھا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ تھے "وانا نتوسل الیك بعم نبینا" یہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی جو نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے یعنی "عم" (چچا) والی نسبت کو ذکر کیا ہے پھر وسیلہ مانگا ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ نہیں بلکہ اس عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ مانگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات درمیان میں آتی ہے۔

فائدہ:

یہ جوابات اور مؤقف حضرات اکابر کی عبارات اور تصریحات سے واضح ہوتا ہے جنہوں نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے، ذیل میں ان مستدلین حضرات پیش خدمت ہیں:

مستدلین:

1: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 852ھ) نے فتح الباری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند کے ساتھ اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

إن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یری للعباس ما یری الولد للوالد فاقتدوا أیها الناس برسول الله صلی الله علیه وسلم فی عمه العباس واتخذوه وسیلة إلی الله وفیه فما برحوا حتی سقاهم الله

(فتح الباری: ج2 ص641 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ایسا تھا جیسا اولاد کی نظر میں والد ہوتا ہے، اس لیے اے لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب وسیلہ بناؤ۔" ابھی دعا مانگ رہے ہوتے کہ دعا کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

2: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1362ھ) اس حدیث مبارک کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

"ف: مثل حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو جواز توسل ظاہر تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قول سے یہ بتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے، تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت ہے بلا دلیل ہے۔ اول تو آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں، دوسرے جو علت جواز کی ہے جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا؟

(التکشف: ص675 بعنوان: غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے)

3: شیخ الاسلام شیخ زاہد بن حسن الکوثری رحمہ اللہ (م 1371ھ) اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان قول الصحابی: ((کنا نفعل کذا)) ینصبُّ علی ما قبل زمن القول فیکون المعنی ان الصحابۃ رضی اللہ عنہم کانوا یتوسلون بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاتہ و بعد لحوقہ بالرفیق الاعلیٰ الی عام الرماد و قصر ذلك علی ما قبل وفاتہ علیہ السلام تقصیر عن ھوی و تحریف للنص و تاویل بدون دلیل

(مقالات الکوثری: ص287)

ترجمہ: صحابی کے اس قول کا کہ ((کنا نفعل کذا)) [ہم ایسا کیا کرتے تھے] مطلب یہ ہے کہ یہ فعل اس قول کے وقت سے پہلے والے زمانے میں ہوتا رہا ہے۔ لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول (إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ) کا مطلب یہ ہو گا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل آپ علیہ السلام کی حیات میں اور آپ علیہ السلام کے خدا تعالیٰ کے پاس جانے کے بعد سے لے کر قحط والے سال تک کرتے رہے ہیں۔ اس توسل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل والے زمانے (یعنی صرف حیاتِ دنیوی جو وفات سے پہلے وہ زمانہ ہے) کے ساتھ خاص کرنا خواہشات کی پیروی، نصوص میں تحریف اور بلا دلیل تاویل کرنے کے مترادف ہے۔

4: شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (م1394ھ) ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرات صحابہ کا بعد وصال نبوی علیہ الصلوۃ والسلام الی یوم القیامہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء میں توسل کرنا ہرگز اس امر پر دال نہیں کہ بعد وصال کے حضور سے توسل فی الدعاء ممنوع ہو گیا تھا۔ اگر کسی کو دعویٰ ہے تو دلالت النص و عبارت النص یا اشارۃ النص و اقتضاء النص کے طریق سے کسی طریقہ سے ثابت کرے کہ یہ حدیث اس امر پر کیونکر دال ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس واقعہ میں بھی توسل بسید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم تھا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ((اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ وَصِنْوِ اَبِيْهِ)) یہاں بھی در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے توسل تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت کے لئے آگے کیا تھا۔

(امداد الاحکام: ج1 ص133)

5: فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (م1422ھ) اس حدیث مبارک کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بعض حضرات نے جواز توسل کی تخصیص بالاحیاء کا دعوی کیا ہے جو صحیح نہیں، جب توسل ثابت ہو گیا تو احیاء و اموات میں مابہ الفرق کیا ہے؟ اگر کچھ فرق تسلیم کر لیا جائے تو مسئلہ برعکس ہونا چاہیئے کیونکہ زندہ انسان تغیرِ احوال سے مامون نہیں، اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ کسی کی اقتداء کرنا چاہو تو میت کی اقتداء کرو:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فإن الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ الحدیث رواہ رزین (مشکوٰۃ: ص32)

پس جب باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم توسل بالحی کا استحباب ثابت ہوا تو توسل بالمیت بطریق اولی مستحب ہو گا۔ علاوہ ازیں دلیل اول، ثالث اور رابع توسل بالمیت کے باب میں صریح ہیں۔

باقی رہا یہ اشکال کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں توسل کیا؟ سو اس کی چند توجیہات ہو سکتی ہیں:

ا: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کے ساتھ آپ کی دعا بھی مقصود تھی۔

۲:اس پر تنبیہ مقصود تھی کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں؛ایک توسل بذاتہ دوسری توسل باہل قرابتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳:یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بغیر الانبیاء علیہم السلام من الاولیاء والصلحاء بھی باعث برکت وجالب رحمت ہے۔

۴:طبع انسانی اپنے اندر موجود محسوس مبصر شخص پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے۔چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھیجنے اور دعا کی درخواست پہنچانے میں انسانی وسائط کا اہتمام کیا جاتا ہے، حالانکہ ملائکہ کا واسطہ انتہائی سریع ہونے کے ساتھ انتہائی قوی بھی ہے، نہ ادائے امانت میں غفلت کا خطرہ، نہ نسیان کا اندیشہ۔(احسن الفتاویٰ:ج1ص334،335)

حدیث نمبر2:

عن عثمان بن حُنَيْف : أن رجلا ضرير البصر أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله لي أن يعافيني . فقال (إن شئت أخرت لك وهو خير . وإن شئت دعوت) فقال ادعه . فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه . ويصلي ركعتين . ويدعو بهذا الدعاء (اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة . يا محمد إني قد توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى . اللهم فشَفِّعْهُ فِيَّ)

(سنن ابن ماجۃ:ص99باب صلوٰۃ الحاجۃ، مسند احمد بن حنبل:ج13ص315رقم الحدیث17175، المعجم الصغیر للطبرانی:ص183من اسمہ طاہر، التاریخ الکبیر للبخاری: ج6ص56رقم الترجمۃ2191)

ترجمہ:حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اللہ سے میرے لئے عافیت اور تندرستی کی دعا مانگیے۔ آپ نے فرمایا: اگر چاہو تو آخرت کے لئے دعا مانگوں، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور چاہو تو (ابھی) دعا کر دوں؟ اس نے عرض کیا: دعا فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا کہ اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعتیں پڑھ کر یہ دعا مانگو:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى اللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ

[اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں رحمت والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے، اے محمد! میں نے آپ کے وسیلہ سے اپنے پروردگار کی طرف توجہ کی اپنی اس حاجت کے سلسلہ میں تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے، اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش میرے بارے میں قبول فرمالیجئے۔]

تصحیح حدیث:

(1)امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ (م273ھ) نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا:

قال أبو إسحاق هذا حديث صحيح

(سنن ابن ماجۃ:ص99باب صلوٰۃ الحاجۃ)

ترجمہ:ابو اسحاق نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(2)امام ابو عیسیٰ ترمذی (م279ھ) فرماتے ہیں:

هذا حديث حسن صحيح

(جامع الترمذی:ج2ص198، ابواب الدعوات)

ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(3)امام ابو عبداللہ الحاکم (م405ھ) اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه

(المستدرک للحاکم:ج1ص621دعاء رد البصر رقم الحدیث1221)

ترجمہ: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو تخریج نہیں کیا۔

(4) ناصر الدین البانی غیر مقلد (م1420ھ) اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

صحیح. (جامع الترمذی باحکام الالبانی: رقم الحدیث3578)

کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(5) مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

اسنادہ صحیح. (صحیح ابن خزیمۃ: ج2ص225 باب صلاۃ الترغیب الترھیب)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

مستدلین:

1: قاضی محمد بن علی شوکانی (م1250ھ) لکھتے ہیں:

وفی الحدیث دلیل علی جواز التوسل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی اللہ عز وجل مع اعتقاد أن الفاعل ھو اللہ سبحانہ وتعالی

(تحفۃ الذاکرین: ص208)

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا توسل پکڑنا جائز ہے، لیکن اعتقاد یہ ہو کہ فاعل (ومختار) ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

2: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م1362ھ) یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس سے توسل صراحتاً ثابت ہوا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح توسل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔" (نشر الطیب: ص240 اڑتیسویں فصل)

3: مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ (م1372ھ) توسل کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اکثر جواز کے قائل ہیں۔۔۔ اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک نبی الرحمۃ [الخ] حدیث میں موجود، مذکور ہے جو جواز کے لئے دلیل ہے۔

(کفایت المفتی: ج2ص85)

اعتراض:

اس روایت کی سند میں راوی "ابو جعفر" سے مراد "ابو جعفر عبد اللہ بن مسور المدائنی" ہے جو ضعیف بلکہ وضاع ہے۔

جواب نمبر1:

یہاں ابو جعفر سے مراد "ابو جعفر عمیر بن یزید الانصاری الخَطْمِی المدنی" ہے۔

1: امام ابو بکر احمد بن محمد المعروف بابن السنی (م364ھ) نے یہی حدیث نقل کی جس میں "الخطمی" کی صراحت ہے: عن أبی جعفر المدنی وھو الخطمی

عمل الیوم واللیلۃ: رقم الحدیث 627

2: مسند احمد کے بھی ایک طریق میں الخطمی کی صراحت ہے:

حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الْخَطْمِيُّ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ ذَهَبَ بَصَرُهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ

مسند احمد: رقم الحدیث 17242

3: أخبرنا حمزة بن العباس العقبي ببغداد ثنا العباس بن محمد الدوري ثنا عون بن عمارة البصري ثنا روح بن القاسم عن أبي جعفر الخَطْمِي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف رضي الله عنه أن رجلا ضرير البصر [الحديث]

المستدرک للحاکم: ج2 ص213 رقم 1972

4: أخبرنا أبو محمد عبد العزيز بن عبد الرحمن بن سهل الدباس بمكة من أصل كتابه ثنا أبو عبد الله محمد بن علي بن زيد الصائغ ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد الحبطي حدثني أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المدني وهو الخَطْمِي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وجاءه رجل ضرير فشكا إليه ذهاب بصره [الحديث]

المستدرک للحاکم: ج2 ص213 رقم 1973

5: عن روح بن القاسم عن أبي جعفر الخَطْمِي المدني [الحديث]

المعجم الصغیر للطبرانی: رقم الحدیث 508

6: امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ترمذی مطبوعہ مصر میں "وھو الخَطْمِي" کے الفاظ ہیں اور ہندی نسخہ میں غالباً کتابت کی غلطی کیوجہ سے لفظ "غیر" زائد ہو گیا۔

تسکین الصدور: ص432

چنانچہ المکتبۃ الشاملۃ میں موجود ترمذی کے نسخہ میں "وھو الخَطْمِي" کی صراحت ہے۔

جامع الترمذی: رقم 3578 المکتبۃ الشاملۃ

7: وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حديث أبي جعفر وهو غير الخَطْمِي هكذا وقع في الترمذي وسائر العلماء قالوا هو أبو جعفر الخطمي وهو الصواب.

القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ لابن تیمیۃ: ج2 ص202

جواب نمبر 2:

اس روایت کی اسناد درج ذیل ہیں:

سند نمبر 1:

حدثنا محمود بن غيلان حدثنا عثمان بن عمر حدثنا شعبة عن أبي جعفر عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف

جامع الترمذی: رقم 3578

سند نمبر 2:

حدثنا محمد بن بشار و أبو موسى قالا حدثنا عثمان بن عمر نا شعبة عن أبي جعفر المدني قال سمعت عمارة بن خزيمة يحدث عن عثمان بن حنيف. صحیح ابن خزیمۃ: رقم **1219**

سند نمبر 3:

حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدِينِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُمَارَةَ بْنَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ يُحَدِّثُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ

مسند احمد: رقم الحدیث 17242

سند نمبر 4:

أخبرنا أبو محمد عبد العزيز بن عبد الرحمن بن سهل الدباس بمكة من أصل كتابه ثنا أبو عبد الله محمد بن علي بن زيد الصائغ ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد الحبطي حدثني أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المدني وهو الخَطْمِي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف

المستدرک للحاکم: ج2ص213رقم1973

سند نمبر 5:

أخبرني زكريا بن يحيى قال حدثنا محمد بن المثنى قال حدثنا معاذ بن هشام قال حدثني أبي عن أبي جعفر عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه

السنن الکبری للنسائی: ج6ص169رقم10420

سند نمبر 6:

أخبرنا محمد بن معمر قال حدثنا حبان قال حدثنا حماد قال أخبرنا جعفر [والصوب ابو جعفر] عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف

السنن الکبری للنسائی: ج6ص168رقم10419

الحاصل ان روایات میں امام ابو جعفر الخطمی کے اساتذہ یہ ہیں:

1: عمارہ بن خزیمہ 2: ابو امامہ

اور شاگرد یہ ہیں:

1: شعبہ 2: روح بن قاسم 3: ہشام 4: حماد بن سلمۃ

کتب اسماء الرجال میں ان حضرات کا شمار امام ابو جعفر المدنی الخطمی کے اساتذہ اور شاگردوں میں کیا گیا ہے نہ کہ ابو جعفر عبد اللہ بن مسور المدائنی کے اساتذہ و شاگردوں میں۔

عن ابی جعفر المدینی سمع عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف

التاریخ الکبیر لامام البخاری ج6ص210

عن ابی جعفر یزید بن عمیر أو عمير بن يزيد عن ابی امامة بن سهل رضی الله عنه عن عمه

التاریخ الکبیر لامام البخاری ج6ص210

عن روح بن القاسم: عن ابی جعفر المدينی عن ابی امامة بن سهل بن حنيف: عن عمه عثمان ابن حنيف رضی الله عنه

التاریخ الکبیر لامام البخاری ج6ص210

أبو جعفر الخَطْمِي اسمه عمير بن يزيد... يروى عن أبيه وسعيد بن المسيب روى عنه شعبة وحماد بن سلمة

کتاب الثقات لابن حبان رقم الترجمہ 10028

عمير بن يزيد بن عمير بن حبيب بن خماشة أبو جعفر الخَطْمِي بصری ولجده صحبة روی عن ابيه عن جده وعن ابن المسيب ومحمد بن كعب وروى هو عن جده ايضاً روى عنه حماد بن سلمة سمعت ابی يقول ذلك قال أبو محمد وروى عنه شعبة بن الحجاج وهشام الدستوائی وروح بن القاسم

الجرح والتعدیل للرازی ج6 ص379 رقم الترجمہ 2099

أبو جعفر الخَطْمِی واسمه عمیر بن یزید ....وروی عنه شعبة وحماد ابن سلمة ویحیی بن سعید القطان

الطبقات الکبری لابن سعد ج1 ص347 رقم الترجمہ 257

عمیر بن یزید أبو جعفر الخَطْمِی عن بن المسیب وأبی أمامة بن سهل وعنه شعبة والقطان وعدة ثقة

الکاشف لامام ذھبی ج2 ص98 رقم الترجمہ 4290

عمیر بن یزید بن عمیر بن حبیب بن خماشة ویقال ابن حباشة الانصاری أبو جعفر الخَطْمِی المدنی ...روی عن أبیه وخاله عبدالرحمن بن عقبة وأبی أمامة بن سهل بن حنیف وسعید ابن المسیب ومحمد بن کعب القرظی وعمارة بن خزیمة بن ثابت والحارث بن فضیل الخَطْمِی وعمارة بن عثمان بن حبیب.وعنه هشام الدستوائی وعدی بن الفضل وشعبة وروح ابن القاسم وحماد بن سلمة ویوسف السمتی ویحیی القطان. تهذیب التهذیب ج5ص139رقم الترجمہ 2168

جواب نمبر 3:

علامہ شمس الدین الذہبی (م 748ھ) میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

ورمزت علی اسم الرجل من أخرج له فی کتابه من الائمة الستة: البخاری،[خ] ومسلم[م]، وأبی داود.[د] والنسائی، [س] والترمذی،[ت] وابن ماجه[ق] برموزهم السائرة.

(میزان الاعتدال للذہبی: ج1 ص46 مقدمۃ المصنف)

ترجمہ: ہر راوی کے نام کے ساتھ میں نے وہ علامت لگائی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ صحاحِ ستہ میں سے کس کس محدث نے ان سے روایت لی ہے یعنی امام بخاری (کے لیے علامت "خ")، امام مسلم (کے لیے علامت "م")، امام ابو داؤ (کے لیے علامت "د")، امام ترمذی (کے لیے علامت "ت")، امام ابن ماجہ (کے لیے علامت "ق")۔

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ ہماری پیش کردہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ کی ہے جن کی علامت بالترتیب "ت" اور "ق" ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں "ابو جعفر المدائنی" کے حالات ذکر کئے ہیں (تحت الرقم: 461) اور اس پر جرح بھی نقل کی ہے لیکن اس کے ساتھ علامت "ت" اور "ق" نہیں لگائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری روایت کا راوی ابو جعفر المدائنی نہیں جو کہ ضعیف و مجروح ہے بلکہ یہ ابو جعفر عمیر بن یزید الخَطْمِی ہے جو کہ ثقہ ہے۔ اس کی ثقاہت درج ذیل ہے:

قال ابن معین والنسائی: ثقة، وذکره ابن حبان فی الثقات وقال عبدالرحمن بن مهدی: کان أبو جعفر وأبوه وجده قوما یتوارثون الصدق بعضهم عن بعض.

قلت [ابن حجر]: وقال أبو الحسن ابن المدینی: هو مدنی قدم البصرة ولیس لاهل المدینة عنه اثر ولا یعرفونه ووثقه ابن نمیر والعجلی فیما نقله ابن خلفون وقال الطبرانی فی الاوسط: ثقة.

تہذیب التہذیب: ج5 ص139 رقم الترجمہ 2168

عمیر بن یزید بن عمیر بن حبیب الأنصاری أبو جعفر الخَطْمِی بفتح المعجمة وسکون الطاء المدنی نزیل البصرة صدوق من السادسة 4. تقریب التهذیب: ج1ص432رقم الترجمة 5190

حدیث نمبر 3:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کی وفات ہوئی، ان کی قبر کھودی گئی تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے، اپنے ہاتھ سے قبر کی مٹی نکالی۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے دعا کی:

اللہ الذی یحیی ویمیت وھو حی لا یموت اغْفِر لِأُمِّي فاطمةَ بنتِ أسد ولَقِّنْها حُجَّتَها ووسِّعْ عليها مُدْخَلَها بحق نبيك والأنبياء الذين من قبلي فإنك أرحم الراحمين

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج10، ص337 رقم الحدیث 20324)

ترجمہ: اللہ کی ذات وہ ہے جو زندہ بھی کرتی ہے اور مارتی بھی ہے، وہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی، اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، اس کو اس کی حجت (دلیل) سکھا دے (تاکہ وہ فرشتوں کو جواب دے سکے) اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دے اس حق کے وسیلے سے جو تیرے نبی کا (یعنی میرا) تجھ پر ہے اور جو ان انبیاء علیہم السلام کا ہے جو مجھ سے پہلے ہیں۔

تصحیح الحدیث:

امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہا اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں روح بن صلاح ہے۔ امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہا اللہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

(مقالاتِ کوثری: ص380)

استدلال:

علامہ کوثری رحمہ اللہ (م 1371ھ) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفیه التوسل بذوات الانبیاء الذین انتقلوا الی الدار الآخرة

(مقالاتِ کوثری: ص380)

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا توسل جائز ہے۔

وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس میں "والأنبياء الذين من قبلي "وہ انبیاء جو مجھ سے پہلے ہیں] کے الفاظ ہیں جو مذکورہ توسل پر واضح دلیل ہیں۔

حدیث نمبر 4:

امام ابو عبد اللہ الحاکم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لي فقال الله : يا آدم و كيف عرفت محمدا و لم أخلقه ؟ قال : يا رب لأنك لما خلقتني بيدك و نفخت في من روحك و رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا لا إله إلا الله محمد رسول الله فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلاَّ أحب الخلق فقال الله : صدقت يا آدم إنه لأحب الخلق إليَّ أُدْعُني بحقه فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك

(المستدرک للحاکم: ج3 ص517 باب استغفار آدم علیہ السلام بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم، المعجم الصغیر للطبرانی: ص82، ص83)

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہم السلام سے خطاء صادر ہو گئی (یعنی وہ امر صادر ہو گیا جسے اس حدیث میں خطاء سے تعبیر کیا گیا ہے) تو آپ نے عرض کی: اے رب! میں تجھ سے حق محمدی کے وسیلہ سے اپنی بخشش مانگتا ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا؟ جب کہ میں نے انہیں ابھی پیدا ہی نہیں کیا۔ عرض کیا: اے رب! یہ اس لئے کہ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی جانب سے روح مبارک کو مجھ میں ڈالا، میں نے اپنے سر کو اٹھایا تو میں نے عرش کے ستونوں پر ((لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ)) لکھا ہوا دیکھا، تب میں نے جان لیا کہ تو اپنے پاک نام کے ساتھ کسی کے نام کا اضافہ نہیں فرماتا مگر اس ذاتِ گرامی کے نام نامی کا اضافہ فرماتا ہے جو مخلوقات میں سے تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا، بے شک وہ مخلوقات میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں

اسی کے وسیلہ سے مجھ سے دعا کیجیے۔ میں نے تجھے بخش دیا ہے اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔

تصحیح حدیث:

اس حدیث کو مندرجہ ذیل محققین ومحدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔

1: امام ابو عبد اللہ الحاکم (ت405ھ) فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح الإسناد.

(مستدرک علی الصحیحین للحاکم: ج3ص517 کتاب التاریخ)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

2: امام تقی الدین علی بن عبد الکافی بن علی السبکی الشافعی (ت756ھ) امام حاکم کی تصحیح پر اعتماد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد اعتمدنا في تصحيحه على الحاكم.

(شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام: ص361)

ترجمہ: ہم اس روایت کے بارے میں امام حاکم کی تصحیح پر اعتماد کرتے ہیں۔

3: امام احمد بن محمد القسطلانی (ت923ھ) لکھتے ہیں:

وصح أن رسول الله-صلى الله عليه وسلم-قال لما اقترف آدم الخطيئة.

(المواھب اللدنیۃ: ج3ص418 الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی الخ

4: شیخ احمد بن زینی دحلان الحسینی (ت1304ھ) لکھتے ہیں:

اسناده صحيح. (الدرر السنیۃ: ص10)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

5،6: محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی (ت1396ھ) فرماتے ہیں:

حدیثِ توسلِ آدم علیہ السلام بسیدنا النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سند سے ثابت ہے جو مرفوع ہے۔ (امداد الاحکام: ج1ص133)

واضح رہے کہ امداد الاحکام کی تالیف حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت1362ھ) کی زیرِ نگرانی ہوئی ہے، اس لیے یہاں حضرت تھانوی کو بھی مصححین میں شمار کیا گیا ہے۔

اس سے توسل بالذات کا ثبوت ہوا۔ وللہ الحمد

حدیث نمبر 5:

امام ابو عبد اللہ محمد ابن سعد البصری (م230ھ) نے روایت نقل کی ہے:

عن سليم بن عامر الخبائري أن السماء قحطت فخرج معاوية بن أبي سفيان وأهل دمشق يستسقون فلما قعد معاوية على المنبر قال أين يزيد بن الأسود الجرشي قال فناداه الناس فأقبل يتخطى فأمره معاوية فصعد المنبر فقعد عند رجليه فقال معاوية اللهم إنا نستشفع إليك اليوم بخيرنا وأفضلنا اللهم إنا نستشفع إليك بيزيد بن الأسود الجرشي يا يزيد ارفع يديك إلى الله فرفع يزيد يديه ورفع الناس أيديهم فما كان أوشك أن ثارت سحابة في المغرب وهبت لها ريح فسقينا حتى كاد الناس لا يصلون إلى منازلهم

(طبقات ابن سعد: ج7ص444 تحت: مائۃ رجل وسبعۃ نفر)

ترجمہ: سلیم بن عامر الخبائری سے روایت ہے کہ آسمان سے پانی برسنا بند ہو گیا، تو حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما اور اہل دمشق بارش کی دعا کرنے نکلے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تو فرمایا: یزید بن اسود رضی اللہ عنہ جرشی کہاں ہیں؟ راوی کہتے ہیں: لوگوں نے انہیں پکارا، تو وہ آگے بڑھتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم فرمایا تو وہ منبر پر چڑھے اور نیچے کی طرف بیٹھے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! آج ہم لوگ تیری جانب اپنے بہترین اور افضل آدمی کی شفاعت طلب کرتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں یزید بن اسود الجرشی کی ذات کو پیش کرتے ہیں، اے یزید! آپ اپنے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب اٹھائیں، حضرت یزید بن اسود نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی اپنے ہاتھوں کو اٹھایا۔ جلد ہی مغرب کی جانب ایک بادل اٹھا اور اسے ہوا لے (کر ہماری جانب) اڑی، تب (بارش ہوئی اور) ہم لوگ ایسے سیراب ہوئے کہ لوگوں کا اپنے مکانوں تک پہنچنا تقریباً دشوار ہو گیا۔

مستدلین:

(1) امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی (م 476ھ) نے اس روایت کو "المہذب" کے "باب الاستسقاء" میں روایت کر کے استدلال کیا ہے۔

(المہذب مع شرحہ المجموع: ج6 ص100)

(2) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (م 676ھ) نے اس واقعہ کو ثابت اور مشہور مانتے ہوئے امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی کی تائید کی ہے۔

(المجموع شرح المہذب: ج6 ص101)

مذکورہ احادیث وآثار سے واضح ہوا کہ ذوات سے توسل کرنا جائز ہے۔

حدیث نمبر 6:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ (م 360ھ) نے ایک روایت نقل کی ہے:

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف : أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضى الله عنه فى حاجة له فكان عثمان لا يلتفت إليه ولا ينظر فى حاجته فلقى عثمان بن حنيف فشكا ذلك إليه فقال له عثمان بن حنيف ائت الميضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصلى فيه ركعتين ثم قل اللهم إنى أسألك وأتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم نبى الرحمة

(المعجم الصغیر للطبرانی: ص183 من اسمہ طاہر)

ترجمہ: ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام کے سلسلے میں آیا جایا کرتا تھا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (غالباً کسی مصروفیت کی وجہ سے) نہ تو اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ ہی اس کی حاجت براری کرتے۔ وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور اس بات کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جا اور وضو کر، پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ، پھر کہہ: اللهم إنى أسألك وأتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه وسلم نبى الرحمة [اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور بوسیلہ محمد صلی اللہ علیہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں جو نبی الرحمۃ ہیں]

اس روایت کے آخر میں تصریح ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا اور دعا کی برکت سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کی تعظیم و تکریم بھی کی اور اس کا کام بھی پورا کر دیا۔

تصحیح حدیث:

1: امام طبرانی (م 360ھ) فرماتے ہیں:

والحديث صحيح . (المعجم الصغير للطبرانى ج1 ص184)"

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔

2: علامہ منذری رحمہ اللہ (م656ھ) بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔

(الترغیب والترہیب: ج1 ص272 الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ ودعائھا)

3: علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ (م974ھ) فرماتے ہیں:

رواہ الطبرانی بسند جید

(حاشیہ ابن حجر المکی علی الایضاح فی المناسک للنووی: ص500)

ترجمہ: اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

فائدہ:

یہ واقعہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ہے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اس دور میں یہ دعا سکھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا توسل سکھا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ توسل بعد الوفات بھی جائز ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ ان دلائل سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی ذوات سے توسل کرنا ثابت ہو گیا۔ وللہ الحمد

توسل کا ثبوت اجماع سے:

اس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین سے توسل جائز ہے۔

دلیل نمبر 1:

جیسا کہ ما قبل میں گزرا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ

(صحیح البخاری: ج1 ص137 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن خطاب، عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ! ہم تیرے پاس تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لے کر آیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیر اب کر تا تھا، اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ہمیں سیر اب کر۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیر اب کئے جاتے (یعنی بارش ہو جاتی)۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا ذکر کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

واتخذوہ وسیلۃ إلی اللہ. (فتح الباری: ج2ص641 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب وسیلہ بناؤ۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس قول وفعل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر انکار نہیں کیا۔ گویا اس پر اجماع واتفاق کر لیا۔

دلیل نمبر 2:

اسی طرح جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی موجودگی میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے توسل کرتے ہوئے بارش کی دعا کی:

اللهم إنا نستشفع إليك اليوم بخيرنا وأفضلنا اللهم إنا نستشفع إليك بيزيد بن الأسود الجرشي

(طبقات ابن سعد: ج7 ص444 تحت: مائۃ رجل وسبعۃ نفر)

ترجمہ: اے اللہ! آج ہم لوگ تیری جانب اپنے بہترین اور افضل آدمی کی شفاعت طلب کرتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں یزید بن اسود الجرشی کی ذات کو پیش کرتے ہیں۔

حاضرین میں سے کسی ایک نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل مبارک پر انکار نہیں کیا۔ گویا ذوات سے توسل کرنے کے جائز ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا اجماع ہو گیا۔

دلیل نمبر3:

علامہ محمد بن علی شوکانی (م1250ھ) نے اپنے رسالہ "الدر النضید فی کلمة اخلاص التوحید" میں تصریح کی ہے:

و ثبت التوسل بغیرہ بعد موته باجماع الصحابة اجماعاً سکوتیاً. (ص20)

کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے غیر کا توسّل کرنا اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

اقوالِ سلف اور مسئلہ توسل:

حضرات سلف صالحین مسئلہ توسل میں جواز کے قائل چلے آرہے ہیں، ذیل میں ہم بعض حضرات کا کلام نقل کریں گے تاکہ معاندین و منکرین پر حجت پوری ہو جائے۔

خلیفہ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ (م40ھ)

عن أنس قال: "جاء أعرابی إلى النبی صلى الله عليه وسلم وشكا إليه قلة المطر وجَدُوبَةَ السنة فقال: يا رسول الله لقد أتيناك وما لنا بعير يَئِطّ ولا صبی يَصْطَبِحُ،" فمد رسول الله صلى الله عليه وسلم يده يدعو فما رد يده إلى نحره حتى استوت السماء بأرواقها وجاء أهل البُطَاحِ يَضِجُّونَ يا رسول الله الطرق، فقال: حوالينا ولا علينا، فانجلى السحاب حتى أحدق بالمدينة كالإكليل فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه وقال: "لله در أبی طالب لو كان حيا لقرت عيناه، من ينشدنا قوله." فقام علی بن أبی طالب فقال: يا رسول الله لعلك أردت قوله:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ **** ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

(کنز العمال: ج8 ص204 باب صلاۃ الاستسقاء رقم الحدیث 23544)

کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور بارش کی قلت اور خشک سالی کی شکایت کی اور عرض کی یارسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی جانور نہیں رہا اور نہ کوئی آواز نکالنے والا بچہ رہا تو آپ نے دونوں ہاتھ بلند فرمائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نیچے نہیں فرمائے تھے کہ بادل برسا اور کھل کر برسا۔ تو جن لوگوں کے گھر پانی میں ڈوب رہے تھے وہ آئے اور چیخ و پکار کرنے لگے اور عرض کی: یارسول اللہ! آمد و رفت کے راستے ختم ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہم پر بارش نہ برسا قریب والوں پر برسا تو بادل کھلا اور مدینہ کو اس طرح گھیر لیا جس طرح بہت کھانے والا (کھانے کو گھیر لیتا ہے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے اور آپ نے فرمایا: ابو طالب کے کیا کہنے! اگر وہ آج زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی ہوتیں، ہمیں ابو طالب کا شعر کون پڑھ کر سنائے گا؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ کی مراد ان کا یہ شعر ہے:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ **** ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

ترجمہ: آپ سفید (گندم گوں) ہیں، آپ کے چہرہ کے وسیلہ سے بارش مانگی جاتی ہے، آپ یتیموں کے فریادرس ہیں، آپ بیواؤں کے نگہبان ہیں۔

اسے سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میری مراد یہی تھی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (م 58ھ)

عن ابی الجوزاء اوس بن عبد اللہ قال قحط اھل المدینة قحطا شدیدا فشکوا الی عائشة فقالت: انظروا الی قبر النبی صلی اللہ علیہ و سلم فاجعلوا منہ کوًّا الی السماء حتی لا یکون بینہ و بین السماء سقف قال: ففعلوا فمطرنا مطراً حتی نبعت العُشب و سمنت الابل حتی تفتقت من الشحم فسمی عام الفتق۔

(سنن الدارمی: ج 1 ص 56 باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ بعد موتہ، رقم الحدیث 92)

ترجمہ: حضرت ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے لوگ شدید قحط سالی میں مبتلا ہوئے۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں درخواست پیش کی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف دیکھو (یعنی آپ کی قبر پر جاؤ)، پھر آسمان کی طرف ایک روشندان بناؤ کہ آپ کے اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، تب بارش سے سیر اب ہوئے حتیٰ کہ سبز گھاس اگی، اونٹ اتنے موٹے ہوئے کہ گویا چربی سے پھٹے جا رہے ہوں۔ تو اس سال کو تنگی والا سال قرار دیا گیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (م 179ھ)

ایک مرتبہ خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا اور اس نے امام مالک سے دریافت کیا:

استقبل القبلة و ادعو ام استقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم؟ فقال: و لم تصرف وجھك عنہ و ھو وسیلتك و وسیلة ابیك آدم علیہ السلام الی اللہ یوم القیامة؟ بل استقبلہ و استشفع بہ فیشفعہ اللہ۔ قال اللہ تعالیٰ: و لو انھم اذ ظلموا انفسھم الایة

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج 2 ص 26 الباب الثالث فی تعظیم امرہ و وجوب توقیرہ)

ترجمہ: میں قبر نبوی کی زیارت کرتے وقت دعا کرتے ہوئے قبلہ رخ ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اے امیر! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منہ کیوں موڑتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روزِ قیامت وسیلہ ہیں، بلکہ اے امیر! آپ کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ رہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طلب گار رہیے، اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ [م 204ھ]

امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی علی بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا کہ:

انی لأتبرك بأبی حنیفة وأجیء إلی قبرہ فی کل یوم یعنی زائرا فإذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وجئت إلی قبرہ وسألت اللہ تعالی الحاجة عندہ فما تبعد عنی حتی تقضی (تاریخ بغداد للخطیب: ج 1 ص 101 باب ما ذکر فی مقابر بغداد الخ)

ترجمہ: میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلے سے برکت حاصل کرتا ہوں ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہوں اور اس کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دُعا کرتا ہوں۔ اس کے بعد بہت جلد میری دعا پوری ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ "الخیرات الحسان" میں تحریر فرماتے ہیں: واضح رہے کہ علماء اور اہل حاجات ہمیشہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کرتے اور اپنی حاجات بر اری میں ان کا وسیلہ پکڑتے رہے ہیں۔ ان علماء میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔

(الخیرات الحسان: ص 129)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات اہل بیت نبوی سے توسّل کرتے ہوئے یہ شعر فرمایا ہے، جسے علامہ ابن حجر الھیثمی نے نقل کیا ہے: شعر

آل النبی ذریتی وھم الیہ وسیلتی *** ارجو بھم اعطی غدا بید الیمین صحیفتی

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اللہ تعالیٰ کی جانب میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، اور میں امید کرتا ہوں کہ ان ہستیوں کے وسیلہ سے کل (قیامت) کے دن اللہ تعالیٰ میرا صحیفہ مجھے داہنے ہاتھ میں دے گا۔ (الصواعق المحرقۃ: ج2ص524)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م241ھ)

علامہ یوسف بن اسماعیل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں ایک روایت نقل کرتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ کو وسیلہ بنایا تو ان کے بیٹے عبد اللہ کو تعجب ہوا، اس پر امام احمد بن حنبل نے فرمایا: امام شافعی رحمہ اللہ لوگوں کے لیے آفتاب اور بدن کے لیے صحت کی مانند ہیں۔

(شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق: ص166)

امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م279ھ)

آپ رحمہ اللہ نے ذواتِ مسلمین سے توسّل کو جائز رکھا ہے۔ چنانچہ جامع الترمذی کے ابواب الجہاد میں سے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے:

باب ما جاء فی الاستفتاح بصعالیك المسلمین. (جامع الترمذی: ج1ص299 کتاب الجھاد)

کہ یہ فقراء مسلمین کے وسیلہ سے مدد طلب کرنے کے بارے میں آئی ہوئی روایات کا باب ہے۔

پھر حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

سمعت النبی صلی اللہ علیہ و سلم یقول آبغونی ضعفاء کم فإنما ترزقون وتنصرون بضعفائکم

ترجمہ: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: مجھے اپنے ضعفاء میں ڈھونڈو کہ تم لوگوں کو اپنے ضعفاء ہی کی بدولت رزق دیا جاتا ہے اور مدد کی جاتی ہے۔

امام محمد بن محمد الغزالی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ [م505ھ]

آپ نے احیاء علوم الدین کے "مدینہ منوّرہ کی زیارت اور اس کے آداب" کے باب میں فرمایا کہ زائر جب روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے تو دیگر دعاؤں کے ساتھ یہ کلمات بھی کہے:

اللھم إنا قد سمعنا قولك وأطعنا أمرك وقصدنا نبیك متشفعین بہ إلیك فی ذنوبنا

(احیاء علوم الدین: ج1ص308)

ترجمہ۔ اے اللہ! ہم نے آپ کا فرمان سنا اور آپ کے حکم کو مانا اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کرتے ہوئے آپ کا قصد کیا۔

امام نووی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م676ھ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ویستحب إذا كان فیھم رجل مشھور بالصلاح أن یستسقوا بہ فیقولوا : " اللھم إنا نستسقی ونتشفع إلیك بعبدك فلان ". روینا فی " صحیح البخاری " أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، كان إذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب.... وجاء الاستسقاء بأھل الصلاح عن معاویۃ وغیرہ.

(کتاب الاذکار للنووی: ص218 باب الاذکار فی الاستسقاء)

ترجمہ: یہ مستحب ہے کہ جب لوگوں میں کوئی آدمی پاکیزگی اور تقویٰ کے لحاظ سے مشہور ہو تو اس کے وسیلہ سے استسقاء کریں اور یوں کہیں:

اللهم إنا نستسقي ونتشفع إليك بعبدك فلان

کہ اے اللہ! ہم تیری جانب تیرے بندہ فلاں کے وسیلہ سے استسقاء کرتے ہیں اور ان کی شفاعت کی درخواست کرتے ہیں۔

جیسا کہ صحیح البخاری میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے استسقاء فرمایا اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اہل خیر و پاکیزہ لوگوں کے وسیلہ سے استسقاء کرنا بھی آیا ہے۔

امام کمال الدین بن الہمام الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م 861ھ)

آپ رحمہ اللہ "باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں فرماتے ہیں:

ثم يسأل النبي صلى الله عليه وسلم الشفاعة فيقول يا رسول الله أسألك الشفاعة يا رسول الله أسألك الشفاعة وأتوسل بك إلى الله في أن أموت مسلما عن ملتك وسنتك....... ثم ينصرف متبا كيا متحسرا على فراق الحضرة الشريفة النبوية والقرب منها

(فتح القدیر: ج3 ص169 و ص174 کتاب الحج، المقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی)

ترجمہ: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرے اور یہ کہے: یا رسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں، یا رسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں مروں اور آپ کی سنتوں پر عامل ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوں۔۔۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اقدس سے روتا ہوا اور جدائی کا غم ساتھ لئے ہوئے واپس ہو۔

علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ [م 923ھ]

علامہ قسطلانی شافعی رحمہ اللہ نے "المواہب اللدنیۃ" میں لکھا ہے کہ:

وينبغي للزائر ان يكثر من الدعاء والتضرع والاشتغاثة والتشفع والتوسل به صلى الله عليه وسلم

(المواہب اللدنیۃ: ج3 ص417 الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف الخ)

ترجمہ: زائر کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دُعا مانگے، گڑگڑائے، مدد چاہے، شفاعت کی دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے۔

مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1176ھ)

اپنی مشہور زمانہ کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

ومن ادب الدعاء تقديم الثناء على الله والتوسل نبي الله ليستجاب

(حجۃ اللہ البالغۃ ج2 ص6)

ترجمہ: اور دُعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدّم کیا جائے تاکہ دُعا کو قبولیت کا شرف ہو۔

المہند علی المفند کا حوالہ:

علماء دیوبند کی اجماعی و متفقہ دستاویز "المہند علی المفند" میں تیسرا اور چوتھا سوال توسل کے متعلق تھا، حضرات علماء دیوبند کا متفقہ مسلک اس سوال و جواب میں ملاحظہ فرمائیں:

السوال الثالث والرابع: ھل للرجل ان یتوسل فی دعواتہ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوفاۃ ام لا؟ ایجوز التوسل عندکم بالسلف الصالحین من الانبیاء والصدیقین والشھداء واولیاء رب العالمین ام لا؟

الجواب: عندنا وعند مشائخنا یجوز التوسل فی الدعوات بالانبیاء والصالحین من الاولیاء والشھداء والصدیقین فی حیاتھم وبعد وفاتھم بان یقول فی دعائہ اللھم انی اتوسل الیك بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی الی غیر ذلك

(المہند علی المفند: ص36،37)

ترجمہ:

تیسرا اور چوتھا سوال:

کیا وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعا میں انبیاء، اولیاء، شہداء اور صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی، آدمی یوں دعا کرے: اے اللہ! فلاں بزرگ کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما اور میری اس ضرورت کو پورا فرما۔

تنبیہ:

"المہند علی المفند" کی اس دور کے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ و دیگر عرب ممالک کے علماء کے ساتھ ساتھ اکابرین دیوبند مثلاً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری، مولانا محمد احمد قاسمی بن حضرت نانوتوی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اور مولانا محمد یحیٰ سہارنپوری وغیرہ نے تائید و تصدیق فرمائی تھی۔ گویا جوازِ توسل پر ان تمام حضرات اکابر و مشائخ کا اجماع و اتفاق ہے۔ وللہ الحمد

مسئلہ توسل اور غیر مقلدین:

غیر مقلدین حضرات میں سے بعض حضرات نے مسئلہ توسل کا انکار کیا ہے اور بعض اس کو ثابت مانتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے کچھ علماء کا ذکر کرتے ہیں جو توسل کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قاضی محمد بن علی شوکانی (م1250ھ)

غیر مقلدین کے پیشوا قاضی محمد بن علی شوکانی نے اپنی کتاب "تحفۃ الذاکرین" میں لکھتے ہیں:

ویتوسل إلی اللہ سبحانہ بأنبیائہ والصالحین أقول ومن التوسل بالأنبیاء ما أخرجہ الترمذی ... من حدیث عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ... وأما التوسل بالصالحین فمنہ ما ثبت فی الصحیح أن الصحابۃ استسقوا بالعباس رضی اللہ عنہ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(تحفۃ الذاکرین: ص56)

ترجمہ: اللہ کی جانب اس کے انبیاء اور صالحین سے توسل کیا جائے گا، انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنے کے باب سے وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ نے حضرت عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے۔۔۔ صالحین سے توسل کرنے کے باب سے صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے استسقاء کیا۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ والی حدیث کہ "ایک آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس بار بار جاتا تھا الخ" کو ذکر کرنے کے

بعد لکھتے ہیں:

وفی الحدیث دلیل علی جواز التوسل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی اللہ عز وجل. (تحفۃ الذا کرین:ص208)

ترجمہ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ عزوجل کی جانب توسل کرنے کے جواز پر دلیل ہے۔

علامہ شوکانی نے اپنے رسالہ "الدر النضید" میں یہ بھی کہا ہے:

ان التوسل بہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی حیاتہ، و بعد موتہ، و فی حضرتہ، و مغیبہ

(الدر النضید:ص19،ص20)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل آپ کی حیات میں بھی ہوتا ہے، موت کے بعد بھی، آپ کے سامنے بھی، آپ کے پیچھے بھی۔

اس عبارت کو عبد الرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد نے "تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی" (ج4ص282) میں بھی نقل کیا ہے۔

علامہ وحید الزمان غیر مقلد [م1338ھ]

علامہ وحید الزمان اپنی کتاب "ہدیۃ المہدی" میں لکھتے ہیں:

وقال الشوکانی من اصحابنا: لا وجہ لتخصیص جواز التوسل بالنبی کمازعمہ الشیخ عزالدین بن عبدالسلام والتوسل الی اللہ تعالیٰ باھل الفضل والعلم ھو فی الحقیقۃ توسل باعمالھم الصالحۃ ومزایاھم الفاضلۃ. وقال فی مقام اٰخر: لاباس بالتوسل بنبی من الانبیاء او ولی من الاولیاء او عالم من العلماء والذی جاء الی القبر زائرا اودعااللہ وحدہ وتوسل بذلك المیت کان یقول: اللھم انی اسالك ان تشفینی من کذا واتوسل الیك بھذا العبد الصالح. فھذا لاترددفی جوازہ انتھیٰ مختصراً

(ہدیۃ المہدی:ص48،49)

ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے قاضی شوکانی نے کہا ہے کہ "توسل کے جواز کو نبی (علیہ السلام) کے ساتھ خاص قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ عزالدین بن عبد السلام نے گمان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب اہل فضل اور اہل علم کے ذریعے توسل کرنا درحقیقت ان کے اعمال صالحہ اور ان کے اوصاف فاضلہ سے توسل کرنا ہے۔" قاضی شوکانی ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ "انبیاء میں سے کسی نبی سے، اولیاء میں سے کسی ولی سے یا علماء میں سے کسی عالم سے توسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو بندہ قبر کے پاس آیا، اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس قبر والے سے اس طرح توسل کیا کہ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ فلاں مرض سے مجھے شفاء بخش اور اہل صالح بندہ سے تیری جانب توسل کرتا ہوں، تو اس کے جائز ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے" انتہیٰ مختصراً۔

منکرین توسل کے شبہات جائزہ

شبہ نمبر1:

قرآن کریم میں ہے کہ مشرکین خدا کو چھوڑ کر دیگر چیزوں کی عبادت کرنے کی وجہ یہ بتاتے تھے:

مَا نَعۡبُدُهُمۡ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلۡفَىٰٓ

(سورۃ الزمر:3)

ترجمہ: ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں۔

کافروں کا بھی یہی وطیرہ تھا اور متوسلین بالذات بھی بزرگوں کا توسل اسی لیے لیتے ہیں کہ اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کریں، تو پھر اِن میں اور اُن میں کیا فرق رہا؟

جواب:

اس آیت کریمہ میں "نَعۡبُدُهُمۡ" کی تصریح ہے اور غیر اللہ کی عبادت اور ان کو مصائب وحاجات میں براہ راست بلانے کا تذکرہ ہے جو شرکیہ عقائد کو متضمن ہے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ چھوٹے چھوٹے کام جو ان کے اختیار میں ہیں وہ خود کریں گے اور بڑے کام جو ان کے اختیار میں نہیں تو اس کے لیے ہمارے سفارشی بنیں گے اور وسیلے میں یہ باتیں نہیں ہوتیں بلکہ وسیلہ میں مشکل کشا، عالم الغیب، متصرف الامور اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جاتا ہے اور انبیاء اور اولیاء کو قبولیتِ دعا میں محض واسطہ سمجھا جاتا ہے۔ وسیلہ کی حقیقت کو سمجھنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے وسیلہ اور مشرکین کے طرزِ عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ارشاد: توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدہ رحمت ہے المرء مع من احب میں، پس میں آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں۔ پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت کو اولیاء اللہ کے ساتھ ظاہر کر کے اس محبت پر رحمت و ثواب مانگتا ہے اور اولیاء اللہ کا موجب رحمت و ثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے۔ چنانچہ متحابین فی اللہ کے فضائل سے احادیث بھری ہوئی ہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت: ج21 ص48)

لہٰذا اس میں اور مشرکین کے طرزِ عمل میں بہت بڑا فرق ہے۔ دونوں کو ایک سمجھنا کم علمی ہے۔

شبہ نمبر2:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے توسل کا انکار منقول ہے۔ درج ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں:

(1) قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: لَا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ أَنْ يَدْعُوَ اللهَ إِلَّا بِهٖ وَالدُّعَاءُ الْمَأْذُوْنُ فِيْهِ الْمَأْمُوْرُ بِهٖ مَا اُسْتُفِيْدَ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ أَسْمَائِهٖ﴾

(الدر المختار مع حاشیۃ رد المحتار: ج9 ص653)

(2) قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: يُكْرَهُ أَنْ يَقُوْلَ الدَّاعِي: "أَسْأَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ وَبِحَقِّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ وَالْمَشْعَرِ الْحَرَامِ."

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ص234، واتحاف السادۃ المتقین: ج2 ص285، شرح الفقہ الاکبر للقاری: ص198)

جواب:

پہلی عبارت کا مفہوم

در مختار کی اس عبارت کا سیاق وسباق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول عبارت کا توسل بالذات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس عبارت میں ایک اور مسئلہ ذکر کیا گیا ہے جسے سلفی حضرات نے خواہ مخواہ توسل بالذات کے ناجائز ہونے کی دلیل بنا لیا۔ تفصیل یہ ہے کہ صاحب در مختار علامہ علاء الدین محمد بن علی الحصکفی (م 1088ھ) نے ایک مسئلہ بیان کیا کہ اگر کوئی شخص ان الفاظ سے دعا کرے کہ:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ.

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے آپ کے عرش سے ملنے والے بندہائے عزت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔

تو اس کا کیا حکم ہے؟ آیا ایسے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے یا ممنوع ہے؟ تو صاحب در مختار نے دو قول ذکر کیے ہیں: ایک جواز کا اور دوسرا احتیاط کے پیشِ نظر منع کا اور راجح منع کے قول کو قرار دیا۔

جواز کی وجہ یہ ہے اس بارے میں ایک روایت منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِكَ وَبِاسْمِكَ الْأَعْظَمِ وَجَدِّكَ الْأَعْلٰى وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّةِ.

(رواہ البیہقی فی کتاب الدعوات. نصب الرایۃ للزیلعی: ج4ص272)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے آپ کے عرش سے ملنے والے بندہائے عزت، آپ کی کتاب کی حد درجہ رحمت، آپ کے اسم اعظم، اعلیٰ بزرگی اور کامل واکمل کلمات کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔

منع کی وجہ بیان کرتے ہوئے درمختار کے محشی علامہ ابن عابدین الشامی (م1252ھ) لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا كُرِهَ لِأَنَّهُ يُوهِمُ تَعَلُّقَ عِزِّهِ بِالْعَرْشِ وَالْعَرْشُ حَادِثٌ، وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ يَكُونُ حَادِثًا ضَرُورَةً وَاللهُ تَعَالٰى مُتَعَالٍ عَنْ تَعَلُّقِ عِزِّهِ بِالْحَادِثِ سُبْحَانَهُ، بَلْ عِزُّهُ قَدِيمٌ لِأَنَّهُ صِفَتُهُ، وَجَمِيعُ صِفَاتِهِ قَدِيمَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهِ لَمْ يَزَلْ مَوْصُوفًا بِهَا فِي الْأَزَلِ، وَلَا يَزَالُ فِي الْأَبَدِ.

(الدر المختار مع رد المحتار: ج9ص651)

ترجمہ: "بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ" کے الفاظ سے دعا کرنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت وبزرگی کا تعلق عرش کے ساتھ ہے، عرش چونکہ حادث ہے اس لئے جس چیز کا عرش کے ساتھ تعلق ہوگا وہ بھی ضرور حادث ہوگی (لہٰذا اس سے اللہ تعالیٰ کی عزت وبزرگی کا حادث ہونا لازم آئے گا) حالانکہ اللہ تعالیٰ کی عزت وبزرگی کا تعلق حادث کے ساتھ نہیں ہے، اللہ کی بزرگی چونکہ صفت ہے اس لئے دیگر صفات کی طرح قدیم ہے اور ازل تا ابد اللہ تعالیٰ اس صفت کے ساتھ متصف ہے۔

چونکہ ان الفاظ "بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ" سے عزت باری تعالیٰ میں حدوث کا شائبہ ہوتا ہے اور یہ اثر بھی غیر ثابت ہے اس لئے احتیاط کے پیش نظر ان الفاظ سے دعا کرنا منع ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

قَدْ عَرَفْتَ أَنَّ هٰذَا الْأَثَرَ لَيْسَ بِثَابِتٍ، فَالْحَقُّ أَنَّ مِثْلَهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُطْلَقَ إِلَّا بِنَصٍّ قَطْعِيٍّ أَوْ بِإِجْمَاعٍ قَوِيٍّ، وَكِلَاهُمَا مُنْتَفٍ فَالْوَجْهُ الْمَنْعُ.

(الدر المختار مع رد المحتار: ج9ص653)

ترجمہ: یہ بات آپ جان چکے ہیں کہ یہ اثر ثابت نہیں ہے، اس لیے حق بات یہ ہے کہ اس طرح کے الفاظ اس وقت کہنے چاہییں جب یہ نص قطعی یا قوی اجماع سے ثابت ہوں اور یہاں یہ دونوں مفقود ہیں اس لئے کہنا منع ہے۔

بطور فائدہ یہ بات ملحوظ رہے کہ بعض حضرات نے "بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ" کے الفاظ سے دعا کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ "عز" کو عرش کی صفت قرار دیا جائے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا: "اے اللہ! میں آپ سے آپ کے عرش کے بندہائے عزت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔" تو جس طرح عرش کو مجد وبزرگی کے ساتھ متصف کرنا جائز ہے اسی طرح "عز" کے ساتھ متصف کرنا بھی جائز ہے۔ تو جو خدشہ یعنی باری تعالیٰ کی عزت کا حادث ہونا پہلی توجیہ میں لازم آرہا تھا وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ جب عزت اور بزرگی عرش کی صفت بن رہی ہے تو اس کے حدوث سے اللہ تعالیٰ کا حدوث ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے ان الفاظ کا استعمال جائز ہے..... لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ان الفاظ کو نہ ہی استعمال کیا جائے کیونکہ "عز" کا اولاً اطلاق جو ذہن میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عزت اور بزرگی ہے نہ کہ عرش کی عزّ۔ مزید تفصیل رد المحتار ج9ص652 میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تو علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ اس مسئلہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کی وہ صفات اور اَسماء ذکر کیے جائیں جن سے حدوث باری تعالیٰ کا شبہ نہ ہوتا ہو۔ اسی ضمن میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پیش کی ہے، چنانچہ فرمایا:

عَنْ أَبِي يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَدْعُوَ اللهَ إِلَّا بِهِ وَالدُّعَاءُ الْمَأْذُونُ فِيهِ الْمَأْمُورُ بِهِ مَا اسْتُفِيدَ مِنْ قَوْلِهِ

تعَالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنیٰ فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ أَسْمَائِهٖ﴾

(الدر المختار مع حاشیۃ رد المحتار: ج9ص653)

ترجمہ: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کہ کسی شخص کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات (اسی طرح صفات و دیگر اسماء۔ رد المحتار) کے علاوہ کسی اور طرح سے پکارے۔ اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے بارے میں جس مشروع طریقہ کا حکم دیا گیاہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: "وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنیٰ فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ أَسْمَائِهٖ" (اسماء حسنی یعنی اچھے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، لہٰذا اس کو انہی ناموں سے پکارو! اور ان لوگوں کو چھوڑو جو اس کے ناموں میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں)

زیر بحث مسئلہ کو ذہن میں رکھ کر اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ توسل بالذات کا انکار نہیں فرمارہے بلکہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہو تو اس کی ذات وصفات اور اَسماء حسنہ کے ذریعے پکارا جائے، ایسے الفاظ سے نہ پکارا جائے جن سے اللہ تعالیٰ کے- معاذ اللہ- حدوث کا شبہ ہوتا ہو۔ اس بات کی دلیل خود اسی عبارت میں موجود ہے کہ:

وَالدُّعَاءُ الْمَأْذُوْنُ فِيْهِ الْمَأْمُوْرُ بِهٖ مَا اسْتُفِيْدَ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنیٰ فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ أَسْمَائِهٖ﴾

(الدر المختار مع حاشیۃ رد المحتار: ج9ص653)

کہ دعا کا جو مشروع طریقہ شریعت میں بتایا گیاہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اچھے اچھے ناموں کے ساتھ پکارو، اسماء الٰہیہ میں کج روی اور تحریف نہ کرو.... مثلاً اللہ تعالیٰ کو "نور" کے بجائے ابیض (سفید) یا "شافی" کے بجائے طبیب نہ کہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مخصوص ناموں کو غیر اللہ کے لئے استعمال نہ کرو مثلاً کسی انسان کو رحمٰن، رزاق، خالق، قدوس، غفار وغیرہ مت کہو۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات اور اسماء حسنیٰ کے ذریعے پکارا جائے، مہمل و غیر مناسب الفاظ سے نہ پکارا جائے اور نہ ہی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ناموں کو غیر اللہ کے لئے استعمال کر کے کج روی اور تحریف کا ارتکاب کیا جائے۔

تو کہاں عبارت کا یہ مفہوم اور کہاں مخالفین کا شبہ!

دوسری عبارت کا مفہوم

پہلے یہ سمجھیں کہ معتزلہ وغیرہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب اور ضروری ہے کہ بندوں کی نیکیوں پر انہیں ثواب اور ان کے گناہوں پر عذاب دے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا تو معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا عدل باقی نہیں رہے گا- معاذ اللہ- جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور فاعل مختار ہے، جو چاہے کر سکتا ہے، اس پر کسی کا کوئی حق عائد نہیں ہوتا۔ ملا علی قاری (م1014ھ) اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَلَا يَجِبُ عَلَى اللّٰهِ شَيْءٌ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ." (مرقاۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ المفاتیح: ج1ص237 کتاب الایمان)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں بخلاف معتزلہ کے کہ وہ وجوب کے قائل ہیں۔

ہاں اگر اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل و کرم اور ارادہ و اختیار سے جس حق کا وعدہ کیا ہے وہ بجاہے، اس میں نہ تو کوئی کلام ہے اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی جبر ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(سورۃ یونس:103)

ترجمہ: پھر ہم (اس عذاب سے) اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے (جس طرح ان مؤمنین کو ہم نے نجات دی تھی) ہم اسی طرح

سب ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں یہ (حسب وعدہ) ہمارے ذمہ ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ہے:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورة الروم: 47)

ترجمہ: اور ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

حدیث مبارک میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قال حين يمسي رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا كان حقا على الله أن يرضيه

(جامع الترمذی: ابواب الدعوات - باب الدعا اذا اصبح واذا امسیٰ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص شام کے وقت یہ دعا پڑھے: "رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا" تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اسے (قیامت کے دن) راضی کرے۔

تو اگر کوئی شخص "بحق فلان" کہے اور اس کا عقیدہ صحیح ہو کہ حق سے وہ حق مراد ہے جو بحسبِ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر کسی کا عقیدہ غلط ہو اور وہ حق سے مراد یہ لے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب اور ضروری ہے تو اس لفظ کا استعمال یقیناً مکروہ ہو گا۔

اب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: يُكْرَهُ أَنْ يَّقُوْلَ الدَّاعِي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ وَبِحَقِّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ وَالْمَشْعَرِ الْحَرَامِ.

(شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ص234، واتحاف السادۃ المتقین: ج2 ص285، شرح الفقہ الاکبر للقاری: ص198)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: دعا کرنے والے کے لیے یہ کہنا مکروہ ہے کہ "اے پروردگار! میں تجھ سے فلاں کے حق یا تیرے انبیاء ورسل علیہم السلام، بیت الحرام اور مزدلفہ کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں۔"

اس عبارت میں جہاں "بحق فلان" کو مکروہ لکھا ہے وہاں حق سے مراد "حق وجوبی اور جبری" جو خالصتاً معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ ہاں اگر حق سے مراد "حق تفضلی" ہو (جو اللہ تعالیٰ نے فضل واحسان کرتے ہوئے اپنے ذمہ لیا ہے) تو یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی مکروہ نہیں۔ چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جو عبارت اتحاف السادۃ المتقین لسید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی المعروف بمرتضیٰ اور شرح الفقہ الاکبر لملا علی القاری کے حوالے سے اس سلفی دوست نے پیش کی ہے اس کے آگے یہ بات وضاحت وصراحت کے ساتھ موجود ہے۔ افسوس کہ سلفی دوست کی "دیانت" نے اسے نقل نہ کرنے دیا۔ وہ عبارت یہ ہے:

اذ ليس لاحدٍ على الله حق... واما ما ورد من قول الداعي: "اللهم انى اسئلك بحق السائلين عليك وبحق ممشاي اليك" فالمراد بالحق الحرمة او الحق الذى وعده بمقتضى الرحمة.

(اتحاف السادۃ المتقین: ج2 ص285، شرح الفقہ الاکبر: ص387، 388)

ترجمہ: (بحق فلاں کہنا مکروہ ہے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی کا کوئی حق عائد نہیں ہوتا اور یہ جو حدیث میں دعا آئی ہے کہ "اے پروردگار! میں تجھ سے ان لوگوں کے حق کی بدولت سوال کرتا ہوں جو تجھ سے سوال کرتے ہیں اور تیری طرف اپنے چلنے کے حق کی بدولت سوال کرتا ہوں" تو اس حق سے "حرمت" مراد ہے یا وہ حق مراد ہے جو "بحسبِ رحمت" اللہ تعالیٰ نے وعدہ کے طور پر اپنے ذمہ لیا ہے۔

نوٹ:

اوپر والی عبارت میں جس روایت (اللهم انى اسئلك بحق السائلين عليك وبحق ممشاى اليك) کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ان کتبِ حدیث میں موجود ہے:

(۱): سنن ابن ماجہ: ص57 ابواب المساجد والجماعات. باب المشي الى الصلاة

(۲): مسند احمد: ج10 ص68 رقم الحدیث 11099

(۳): مصنف ابن ابی شیبہ: ج15 ص107، 108 کتاب الدعاء، باب ما یدعو بہ الرجل اذا خرج من منزلہ

(۴): مسند ابن الجعد: ج1 ص299 رقم الحدیث 2031

(۵): عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ص76 رقم الحدیث 85

شیخ محمد عوامہ الحنفی حفظہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وقد حسّن الحديثَ جماعة من الأئمة: الحافظ عبد الغني المقدسي، أدخله في جزئه "النصيحة في الأدعية الصحيحة" وأبو الحسن المقدسي شيخ المنذري، نقل ذلك عنه في "الترغيب" ۲: ۴۵۸- ۴۵۹ والدمياطي في "المتجر الرابح"(۱۳۲۵) ولفظه: حسن إن شاء الله، والعراقي في "تخريج الإحياء" ۱: ۳۲۳، وابن حجر في "نتائج الأفكار" ۱: ۲۷۲.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج15 ص107 تحت حدیث 29812)

ترجمہ: اس حدیث کو ائمہ کی ایک جماعت نے حسن قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ عبد الغنی مقدسی نے اپنے جزء "النصیحۃ فی الأدعیۃ الصحیحۃ" میں اسے ذکر کیا، علامہ منذری کے استاذ علامہ ابو الحسن المقدسی سے اس کی تصحیح "الترغیب والترھیب" میں منقول ہے، علامہ دمیاطی نے "المتجر الرابح" میں ان الفاظ سے تحسین کی کہ "یہ حدیث ان شاء اللہ حسن درجہ کی ہے"، علامہ عراقی نے "تخریج الاحیاء" میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "نتائج الافکار" میں اس کی تحسین کی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "بحق فلان" کہنا اس معنی میں مکروہ ہے جب حق سے مراد "حق وجوبی و جبری" ہو جو سراسر معتزلہ کا مسلک ہے، لیکن اگر حق بمعنی "حقِ تفضلی" اور "بحسبِ رحمت" ہو تو امام صاحب کے ہاں بھی جائز ہے جیسا کہ خود اسی عبارت میں حدیث مبارک کے حوالے سے یہ بات موجود ہے۔

شبہ نمبر3:

اللہ کا دربار ہر وقت کھلا ہے۔ اللہ خود فرماتے ہیں ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي﴾ [سورۃ البقرۃ: 186] لیکن قائلین توسل براہِ راست خدا سے عرض و معروض کرنے کی بجائے ان بزرگوں کے واسطوں اور وسیلوں کے قائل بنتے ہیں۔

جواب نمبر1:

یہ سوال اس وقت ہو سکتا ہے جب غیر اللہ سے مانگا جائے اور وسیلہ میں غیر اللہ سے نہیں مانگا جاتا بلکہ انبیاء اور اولیا کے وسیلہ سے خدا مانگا جاتا ہے کیونکہ اس طرح دعا کی قبولیت میں اثر ہوتا ہے کہ وہ دعا جو وسیلہ سے مانگی جائے جلد قبول ہوتی ہے۔

جواب نمبر2:

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ توسل بالذات کے بغیر دعا قبول ہی نہیں ہوتی بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ توسل کو دعا کے قبول ہونے میں دخل ہے، جیسے زمان، مکان اور افراد کے بدلنے سے قبولیت دعا کی سرعت میں فرق آنا ظاہر ہے۔ مثلاً

☆ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّیْلِ الْاٰخِرُ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَکْتُوْبَاتِ۔

(جامع الترمذی ج2 ص187 باب بلا ترجمۃ ابواب الدعوات، السنن الکبریٰ للنسائی ج6 ص32 ما یستحب من الدعاء دبر الصلوات المکتوبات)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے آخر میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

☆ بیت اللہ میں دعا کرنا اجابت کے زیادہ قریب ہے بنسبت عام مسجد اور اپنے گھر میں دعا کرنے سے۔

☆ نبی اور ولی دعا کرے تو اس کی قبولیت بنسبت عام آدمی کے زیادہ ہے۔

جواب نمبر3:

اگر توسل بالذات شرک ہے، جائز نہیں کیونکہ اللہ کا دربار ہر وقت کھلا رہتا ہے کسی کے واسطے کی ضرورت نہیں تو پھر ہم قائلین توسل بالدعاء والاعمال سے پوچھتے ہیں کہ اس دلیل کی بناء پر توسل بالاعمال بھی ٹھیک نہ ہونا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ کے دربار میں واسطہ جائز نہیں تو پھر اعمال پیش کرنے کی ضرورت کیا ہے؟! لہٰذا جس توسل بالاعمال جائز ہے اسی طرح توسل بالذات بھی جائز ہے۔